پروفیسر محمد اقبال جاوید☆

دعا

سرورِ کونین ﷺ کے نقطۂ نظر سے

دل سے ابھرنے والی ہر آرزو، نگاہوں میں مچلنے والی ہر التجا اور لبوں سے بکھرنے والی ہر پکار، دعا ہی تو ہے، بشرطیکہ اس کا مخاطب اللہ تعالیٰ ہو جو علیم و خبیر ہونے کے ساتھ ساتھ سمیع و مجیب بھی ہے، جو دعا، سنتا اور قبول کرتا ہے۔ جس کی رحمت سے نا امیدی نہیں اور جس کی نعمتوں سے کسی کا دامن خالی نہیں، نہ جس کی مغفرت سے کوئی مایوس ہے اور نہ جس کی عبادت سے کسی کو عار ہے، نہ جس کی رحمتوں کا سلسلہ ٹوٹتا ہے اور نہ جس کی نعمتوں کا فیضان رکتا ہے۔(۱) مگر ضروری ہے کہ دعا کرنے والا ایمان اور اطاعت میں مشکوک نہ ہو۔ کیونکہ عمل کے بغیر دعا ایک تیرِ بے کماں سے زیادہ وقیع نہیں، اور پھر ہم پر کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہماری ہر آرزو قبول نہیں ہوتی کیونکہ ہمارا ذہن خام، علم محدود اور فکر مسدود ہے، ہم ایسی چیزوں کی بھی تمنا کر لیتے ہیں جو ہمارے لئے مضر ہوتی ہیں، بچہ شعلوں کی لپک اور تلوار کی دھار سے کھیلنے کے لئے لپکے تو دانا و بینا ذات کو اُسے روکنا ضروری ہوتا ہے، مولا کریم ہماری وہ دعائیں قبول کر لیتے ہیں جنہیں اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق ہمارے لئے موزوں سمجھتے ہیں اور غیر موزوں دعاؤں کو گو قبولیت کا مقام نہیں ملتا۔ مگر وہ رد بھی نہیں ہوتیں بلکہ بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھتے ہوئے، وہ حیادار ذات، آنکھوں میں تیرتی ہوئی چمک کو عبادت بنا کر ایک اخروی ذخیرہ بنا دیتی ہے(۲) ۔

مسکراتی آ رہی ہے پھر کوئی تازہ امید
سرد آہوں کو دعا کے ساتھ شامل دیکھ کر

☆۔ گوجرانوالہ

دعا، انسانی فطرت کی خلقی افتاد کا ایک بے ساختہ اظہار ہے، جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو انسان براہِ راست اُسی ذات بلند و برتر کے حضور میں گڑگڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو رفع کر دیتا ہے۔(۳) مگر جب آئی، ٹل جاتی ہے تو انسان کی تاویلات اُسے گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ گویا مشکلات کے نرغے میں، طوفانوں کی زد میں، شعلوں کی حدت میں اور حوادث کی شدت میں، دل اسباب سے یکایک مایوس ہو کر خود بخود مالک اسباب سے رجوع کر لیتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اسباب منقطع ہو جائیں، رشتہ و پیوند ٹوٹ جائیں، سیم و زر بے وفا ہو جائیں اور ہر نوع کی دنیاوی دستگیری بے بس ہو کر رہ جائے تو مسبب الاسباب کی یاد ایک فطری تقاضے کے طور پر ابھرتی ہے۔ جو لوگ ایسے لمحوں میں بھی چرخِ نیلی فام کی طرف نہیں دیکھتے وہ یقیناً انسانیت کے نور کی آخری کرن سے بھی بے بہرہ ہیں۔

قرآن پاک نے جتنا زور توحید پر دیا ہے، اتنا کسی اور مسئلے پر نہیں اور ہر نبی نے اپنی تعلیم میں توحید ہی کو مرکز بنایا ہے، گویا توحید کے اس رشتے کے کمزور ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ دین کی پوری عمارت لرز جاتی ہے، دعا چونکہ عبادت کی روح اور بنیاد ہے۔ اس لئے یہ بارآور نہیں ہو سکتی جب تک توحید کا عقیدہ پختہ بنیاد پر قائم نہ ہو، اور توحید کی بنیاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں۔

> قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقش کھینچ دیا کہ اس طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہو گئے، اس نے صرف توحید ہی پر زور نہیں دیا بلکہ شرک کی راہیں بھی بند کر دیں اور یہی اس باب میں اس کی خصوصیت ہے۔ ہر طرح کی عبادت اور نیاز کی مستحق خدا ہی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ اُسی کی ذات ہے جو انسانوں کی پکار سنتی اور اُن کی دعائیں قبول کرتی ہے۔ پس اگر تم نے اپنی دعاؤں میں کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کر لیا تو گویا تم نے اُسے خدا کی خدائی میں شریک کر لیا، وہ کہتا ہے کہ دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل اور اس طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال، وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں پس اگر ان اعمال میں تم نے کسی دوسری ہستی کو بھی

شریک کرلیا تو خدا کے رشتۂ معبودیت کی یگانگت باقی نہ رہی۔(۴)

دعا کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہے، اللہ تعالیٰ پکار پکار کے کہتے ہیں کہ مجھے پکارو، میں دور نہیں، قریب ہوں، (۵) سمیع، مجیب اور بصیر ہوں۔(۶) حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تخیّل کی رفعتوں سے ماورا بھی ہے اور ہماری رگِ جاں کے قریب بھی، وہ تاریکیوں سے نور نکالتا اور موت سے زندگی ابھارتا ہے، وہ ذروں کو صحرا، قطروں کو قلزم، خزاں کو بہار اور گنگ زبانوں کو نوائے سروش بنا دیتا ہے۔ وہ شستگیٔ زبان اور شگفتگیٔ بیان کی نسبتوں سے بلند اور طلسمِ ستائش و نیائش سے مستغنی ہے۔ وہ گدازِ ترنم اور شوخیٔ تکلم سے بے نیاز اور مسرتِ مدح و تلخیٔ ذم سے بے پرواہ ہے۔(۷)

اگر کوئی بات اس کے لاہوتی ہونٹوں پر تبسم لاسکتی ہے تو وہ انسانی اضطرار و تکرار ہے کہ اضطرار سے خشوع و خضوع ابھرتا ہے اور تکرارِ سوال سے صدقِ طلب کا اظہار ہوتا ہے۔ جو ذات بے نیاز ہو۔ اس کے حضور میں، اس کی رضا کے بغیر سفارش اور جو قریب ترین ہو، اس کی بارگاہ میں دخیل و مقرب ہونے کا دعویٰ کون کرسکتا ہے۔ انسان فطرتاً کمزور، توہم پسند اور جلد باز ہے۔ وہ دربارِ الٰہی پر بھی دنیاوی آداب کا اطلاق کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اس تک پہنچنے کے لئے بھی توسط ڈھونڈتا ہے جو کلیتًا اس مادی دنیا کی مادی ادا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں التجا کرنے اور اس کی رحمت کو پانے کا ایک ہی وسیلہ اور طریقہ ہے کہ اپنی التجا کو درود کے تقدس میں ملفوف کرکے پیش کیا جائے۔(۸) کہ درود، دعا کے لئے پرِ پرواز کا کام دیتا ہے۔ اضطرار اور تضرع اُسی ذات کے سامنے ہوسکتا ہے جو مختارِ کل، ہمہ گیر، ہمہ نوع اور ہمہ جہت ہو۔ جس کی یکتائی کا نقارہ، اقصائے کائنات میں صبحِ آفرینش سے بج رہا ہو اور جس کے لئے صد ہزار ازل اور ابد ایک گریزپا لمحے کا غبارِ نفس ہو۔(۹) تمام کائنات جس کی ذات میں اسیر ہو، جو موجِ نور ہو اور جسے حمد و ثنا کا کوئی سا لہجہ بھی زنجیر نہ کرسکتا ہو۔

اے خار و خس بحر، ثنائے تو سخن ہا
گنجینۂ گوہر ز مدیح تو، دہن ہا

ایسی ہستی ایک اور صرف ایک ہوسکتی ہے، اُسے چھوڑ کر کسی اور سے مانگنا، خود مالکِ حقیقی ہی کی توہین نہیں، شرفِ انسانی کی بھی اہانت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے لئے دعا مانگے تو اُسے چاہئے کہ پہلے اپنے لئے دعا کرے، پھر دوسرے کے لئے، اس میں

توحید کا یہ لطیف نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ دعا کرنے والا، نہ سفارشی ہے، نہ با اختیار، بلکہ وہ خود بھی اُسی کا محتاج ہے۔

اسلام واحد دین ہے جس میں دعا کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ ہماری پوری عبادت ثنا اور دعا ہی کے گرد گھومتی ہے۔ دعا عبادت کی روح اور مغز ہے۔(۱۰) یہ بات اس زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے جو کھلتی ہی سچائیوں کے لئے تھی۔ حق یہ ہے کہ دعا کے بغیر عبادت ایک لفظ ہے بے معنی، ایک جسم ہے بے روح اور ایک خاکہ ہے بے رنگ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مولا کریم نے جن ارفع نعمتوں اور فضیلتوں سے نوازا، ان میں ایک خصوصیت ان کا عبد ہونا ہے۔ عبدیت، ربوبیت سے وابستہ ہے۔ عبدیت کا کمال اس کی عاجزی میں اور ربوبیت کا کمال اس کے اختیار کامل میں ہے، عبادت، عبدیت کا نشانِ امتیاز ہے اور دعا، عبادت کا جوہر۔ دعا ہو نہیں سکتی جب تک انسان، اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ جانتے ہوئے عجز و انکسار کا پیکر نہ بن جائے کہ وہی ذات ہر نوع کے نفع و ضرر پر قادر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو شعارِ زیست بنایا اور بطور نبی دعوت اُن کا محمول بن گئی، آپ ﷺ کی خلوتیں دعاؤں کے نور سے مستنیر اور جلوتیں، دعوت و تذکر کے حسن سے ممیز تھیں، غارِ حرا سے لے کر طائف کے میدان تک، بدر سے لے کر حنین تک، میدان احد سے لے کر فتح مکہ تک، اور خانگی زندگی سے لے کر نظام حکومت تک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز دعاؤں کے حصار میں رہے ہیں، گویا آپ ﷺ کی دعوتِ حق، آزمائش کے سنگین مرحلوں میں سے اگر کامیاب نکلی تو اس کا سبب اللہ کی رحمت تھی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لئے دعا کا واسطہ اور سہارا لازم ہے۔(۱۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل، انسانی زندگی میں دعا کا پہلو دھندلا گیا تھا، کیونکہ انسان کے سامنے ربوبیت کا کوئی واضح تصور نہ تھا۔ اس کا سینہ ایمان و یقین سے تہی تھا۔ سینکڑوں آستانے اور ہزاروں دروازے تھے۔ مگر وہ سب مل کر بھی کوئی ایسا مرکز نہ ابھار سکے تھے جو یقین و ایقان کے ساتھ ساتھ نیاز و ناز کا محور اور بخشش و عطا کے ساتھ ساتھ جبروت و قہاری کا سرچشمہ بھی ہو۔ جب منزل غیر واضح ہو تو راستے کا دھندلا جانا اور ہمتوں کا ہار جانا ضروری ہوتا ہے۔ جب چشمہ ہی صاف و لبریز نہ ہو تو سیرابی کی جملہ امیدیں مجروح یاس ہو کر رہ جایا کرتی ہیں اور جب منزل کشش سے محروم ہو تو گمراہی مقدر ہو جایا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دعا، سینکڑوں سے نہیں کی جا سکتی، ہاتھ ہر ایک کے سامنے نہیں پھیل سکتا اور دکھتی ہوئی پیٹھ کو ہر دیوار ٹیک مہیا نہیں کر سکتی، دعا کے لئے ایک ہی بارگاہ ضروری ہے، چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت

.IÇaUINI 2 ÊÇ

پر سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ انہوں نے توحید کا تصور رشتہ اور پختہ کیا اور بندے کو ہزاروں دروازوں سے اٹھا کر، ایک دروازے پر جھکا دیا۔ نتیجہ معلوم کہ دعا کے وسیلے سے، عبادت، عبودیت کی معراج بن گئی، گویا دعا، بندگی کی شان ہے اور دعا سے گریز، نخوت کا نشان ہے، اور غرور و تکبر کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔(۱۲) انسان اشرف المخلوقات ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا وہ جہاں بھی جھکے گا اس کی تحقیر ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھکنے سے وہ بہر نوع سربلند رہے گا، کیونکہ وہی ذات مالک کل بھی ہے اور رزاقِ دو جہان بھی۔ مرکزِ رشد و ہدایت بھی ہے اور سرچشمۂ الطاف و عنایات بھی۔ مرجع خلائق بھی ہے اور قادرِ حیات و ممات بھی۔ اکبر الہ آبادی کا شعر ہے۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

گویا عبادت، معراجِ انسانی اور دعا، حسنِ عبادت ہے، جس طرح عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی ہو سکتی ہے، بعینہ دعا بھی اسی سے کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے حاجت روائی کی التماس صریح شرک ہے۔ جو خود وسائل کی تلاش میں ہو، جو خود اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسائی کا طالب ہو، اور جو خود رحمت کا امیدوار اور عذاب سے خائف ہو، (۱۳) وہ استمداد و استعانت کا مرکز و محور کیسے ہو سکتا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

اور سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ کس قدر صاف اور بلیغ انداز میں فرماتے ہیں کہ:

اُسی کو پکارنا برحق ہے، وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں۔ وہ اُن کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں، انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ (۱۴)

دعا، عبادت کی طرح انفرادی فعل بھی ہے اور اجتماعی بھی، انفرادی اس وقت جب ایک شخص راتوں کو اٹھ اٹھ کر، جھک جھک کر اور رو رو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو آواز دے اور اجتماعی اس وقت جب ایک مسلمان اپنی دعاؤں میں، اپنے ساتھ ساتھ کائنات سمیٹ لے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

بھی رحمت و برکت طلب کرے، گویا اپنی التجاؤں میں روزِ آفرینش سے لے کر یومِ قیامت تک کے جملہ مسلمانوں کو شریک کرلے۔(۱۵) دعا کے لئے کسی دوسرے شخص کو متقی اور مستجاب الدعوات سمجھ کر التماس بھی کی جاسکتی ہے، مگر نکتۂ توحید یہ ہے کہ ملتمس اور ملتمس، دونوں کا قبلۂ مراد، منبعِ کرم، مخاطبِ دعا اور مرجعِ دعا، اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بلند و برتر ہو، گویا نگاہ، فاعلِ حقیقی پر ہی ٹکی چاہئے۔ دعا کے وقت بھی اور قبولِ دعا کے بعد بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروقِ اعظمؓ سے اس وقت دعا کے لئے فرمایا جب وہ عمرے کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اویس قرنیؓ سے اپنے لئے اور امتِ مسلمہ کے لئے دعا کی وصیت فرمائی، صحابہ کرامؓ اپنی مشکلات کے لئے بارگاہِ نبوت سے رجوع کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں مشکل کشا اور وجہ سکون ثابت ہوا کرتی تھیں۔(۱۶)

حمد و ثنا اور درود وہ پاک ہی وہ واسطہ، ذریعہ اور رابطہ ہے جس سے دعا شرفِ قبول پاتی ہے۔ درود ایک جامع حوالہ ہے۔ اس میں آل کا لفظ وسیع المعنی ہے۔ اس سے اہل بیت بھی مراد ہیں اور وہ تمام لوگ بھی جن کا حضرت ابراہیمؑ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و اطاعت کا رشتہ ہے اور یہی وہ نیک انسان ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو فراواں کر رکھا ہے اور جنہیں مشیت نے سفارش کے لئے چن لیا ہے۔(۱۷) جن کے راستے پر چلنے کی تمنا، ہر مسلمان، ہر نماز میں کرتا ہے۔ تقلید کے لئے تقرب ضروری ہے اور تقرب دلی تعلق کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اُن کے سچے مقربین متبعین سے دلی تعلق ہو اور دعا، انہی نفوسِ قدسیہ کے تعلق اور حوالے سے شروع ہو اور اسی واسطے پر ختم ہو تو قبولیت کے ایوان خود بخود وا ہو جایا کرتے ہیں۔

جاتی ہے عرش پر یہ تمہارے ہی فیض سے
میری دعائے دل کا سہارا تمہی ﷺ تو ہو

فطرتِ انسانی پیکرِ محسوس سے جلد رجوع کرتی ہے۔(۱۸) اور اس کے ساتھ یقین کا رشتہ فوراً استوار کرلیتی ہے اور خدا چونکہ ان دیکھا ہے۔ اس لئے اُسے دُور، بہت دُور سمجھ لیا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے اس وہم کے ازالے کے لئے بار بار کہا کہ اللہ ہی کو پکارو، جلوت میں، خلوت میں، تنگی میں، آسائش میں، چپکے سے، آواز سے، دل کی دھڑکنوں، آنکھوں کے آنسوؤں اور روح کی لرزشوں سے، اُسے اور صرف اُسے پکارو، اس انداز سے پکارو، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا، جب یہ انداز اپنایا جائے گا تو اللہ،

رگِ جاں سے قریب محسوس ہوگا۔ اور ہر پکار کا جواب ملے گا، وہ خالقِ کائنات ہے، اُسی کی طرف لوٹنا ہے، وہی معافی دینے والا ہے اور وہی قریب و مجیب ہے۔ (۱۹)؎

علاج رنج و غم وہی، قرار قلب و جاں وہی
شکیب و صبر کل وہی، سکوں وہی، اماں وہی

دعا، مصلحت الٰہی پر مبنی ضرور ہے مگر رضائے الٰہی سے متصادم نہیں، بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، ہر نتیجے کے لئے سبب ہوتا ہے، ایک بار حضرت علیؓ ایک ایسی دیوار کے پاس سے گزر رہے تھے جو گرا چاہتی تھی۔ آپؓ نے راستہ بدل لیا، کسی نے پوچھا، کیا آپ اللہ کی قضا سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا میں قضا سے بھاگ کر قدر کے دامن میں پناہ لے رہا ہوں۔ گویا ہر قضا کسی نہ کسی سبب سے وابستہ ہے۔ یہ اسباب بھی خالق اسباب کے مہیا کردہ ہیں۔ اسی طرح کسی مقصد کا حصول نتیجہ ہے تو دعا اس کا سبب ہے، اللہ پاک دعاؤں کو قبول کرتے ہیں۔ گویا آئی، جا سکتی اور بگڑی، بن سکتی ہے، ضرورت تضرع اور تذلل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل، رحمت اور عافیت طلب کرتے رہنے کی ہے۔ (۲۰) ارشادِ نبوت ہے کہ ''دعا بہرحال نافع ہے ان بلاؤں کے معاملے میں جو نازل ہو چکی ہیں اور ان کے معاملے میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں، پس اے بندگانِ خدا، تم ضرور دعا مانگا کرو''۔ (۲۱) دعا ایک ایسی نعمت ہے جس سے قبر کے مراحل بھی آسان ہو جاتے ہیں، یہ زندوں کی طرف سے، مردوں کے لئے ایک بہترین ارمغاں ہے۔ گویا دعا سے آئی ہوئی مصیبتیں بھی کافور ہوتی ہیں اور مستقبل کے اندھیرے بھی چھٹ جاتے ہیں، عقیدے کی بات صرف یہ ہے کہ ہر نوع کی ظلمتوں کو نور عطا کرنے والی ذات ایک اور صرف ایک ہے۔ اقبال نے ایک مقام پر کہا ہے کہ؎

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

اس میں بھی کوشش اور دعا کی اسی تاثیر کی طرف اشارہ ہے جس سے بحکم الٰہی قضا ٹلتی اور زندگی سنورتی ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ دعا، صرف ان امور کے بارے میں نہیں مانگنا چاہئے جہاں انسان خود کو مجبور محسوس کرے بلکہ انسان کو ہر حال میں، اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں خود کو مجبور و بے بس تصور

کرتے ہوئے، اس کی بارگاہ میں رجوع کرنا چاہئے، ہر کام اُسی کے نام اور اُسی کی رحمت کی طلب سے شروع کرنا چاہئے، کیونکہ اُسی کی توفیق، تدبیر کو تقدیر بناتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

> تم میں سے ہر شخص کو اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے، حتیٰ کہ اگر اس کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے دعا کرے۔ (۴۲)

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی منافقتوں، نگاہوں کی خیانتوں، اعمال کی ریاکاریوں اور خوشنما الفاظ کی حقیقتوں کو جانتے اور ہماری نیتوں کو بھی پہچانتے ہیں، وہ ہمارے ارادوں، خیالوں اور خوابوں کی غرض و غایت جانتے ہوئے بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے حضور میں گڑگڑاتے رہیں اور وہ اپنے فیضانِ نعمت سے نوازتے رہیں، مانگنے والوں کی آوازیں گونجتی رہیں اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کے ان نغموں سے خوش ہوتے رہیں اور یوں عبد و معبود کا ازلی تعلق پختہ تر اور تازہ تر ہوتا رہے۔ متنبّی کے ایک شعر کا مفہوم یوں ہے کہ:

> جب تجھ سے سوال کیا جاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ تو مانگنے والوں کو سوال کی زحمت دینا چاہتا ہے بلکہ اس لئے کہ تجھے سائلوں کی آواز اچھی معلوم ہوتی ہے اور جب تجھے پردوں میں چھپایا جائے تو تیری نعمتیں تیری غمازی کرتی ہیں۔

اور یہ کہنا کہ۔

دینے والا خود سمجھتا ہے جو لینا ہے ہمیں
ہم توکل آشنا دستِ دعا رکھتے نہیں

کم فہمی، بے نصیبی، آزاد خیالی اور توکل کا غلط مفہوم ہے۔ حق یہ ہے کہ بعض اوقات عالم راز و نیاز میں آواز کی دلکشی اس قدر پسند آجاتی ہے کہ حصولِ مقصد میں تاخیر کردی جاتی ہے کہ احسن تقویم کے حسن کے ساتھ ساتھ اس کا حسنِ بیان بھی فضا میں رس گھولتا چلا جائے اور ذوقِ حضوری سے داستان طویل ہوتی چلی جائے، اور بعض اوقات اندازِ التجا اس قدر ناگوار ہوتا ہے کہ پہلی صدا پر ہی کچھ نہ کچھ دے کر، سائل کو بھگا دیا جاتا ہے۔ (۴۲/الف) اور بسا اوقات بدکردار انسان، دنیاوی تعیش سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں تا کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی جانب مائل ہونے کی توفیق چھن جائے۔

داد او فرعون را صد ملک و مال
تا ننالد سوئے حق آں بدسگال

در ہمہ　عرش　نہ　دید　او　دردسر
تا نگرید　سوئے　حق　آں　بدگہر

اورکبھی اللہ والوں کو آزمائشوں میں ڈال دیا جاتا ہے کہ صبر کے وہ لمحے محبوب سے تقرب کا بہترین ذریعہ اور دعاؤں کے اضطرار کا پرکیف سبب ہوتے ہیں۔

یہ ہے پہچان خاصانِ خدا کی زمانے میں
کہ خوش ہوکر خدا ان کو گرفتارِ بلا کردے

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہیں۔وہ ہر لحظہ نئی شان سے جلوہ گر رہتے ہیں۔(۲۳)ان کے پاس لوحِ محفوظ ہے۔وہ جس تحریر کو چاہتے ہیں محو کر دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں، ثبت کر دیتے ہیں۔(۲۴)اور دعا میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ عام حالات و کیفیات ہی کو نہیں بلکہ مقدرات کو بھی بدل دیتی ہے۔یہ تاثیر بھی اللہ ہی نے رکھی ہے اور اس کی روشنی میں بدلنے والا بھی اللہ ہی ہے۔یوں دعاؤں کے فیض اور رحمت الٰہی کے فیضان سے تقدیر کے انداز ے بدلتے،مصائب کے بادل چھٹتے،او رتکوینیات کے رخ پلٹتے ہیں۔یہ تمام تبدیلیاں،ابتدائے آفرینش ہی سے قدرت کے سامنے واضح،روشن اور مرتب ہیں۔ان میں نہ کوئی ابہام ہے،نہ ایہام،خود مالکِ تقدیر نے اس تغیر و تبدل کو دعا سے وابستہ کر رکھا ہے۔مفتی سید جعفر حسین نے لکھا ہے کہ ''جس نے قضا کو نافذ کیا ہے اُسی نے دعا میں یہ اثرات ودیعت کئے ہیں کہ وہ قضا کے نقوش بدل دے اور تقدیر کے نئے سانچے تیار کرے اور قدرت جب چاہے مقدرات کو بدل سکتی ہے۔نہ اُسے کوئی مجبوری لاحق ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ارادے میں حائل ہو سکتی ہے''۔(۲۵)حقیقت یہی ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور نہ وہ کسی نوع سے مجبور ہے۔(۲۶)اگر انسان تقدیر کو اٹل سمجھ کر،عبادت اور دعا سے ہاتھ اٹھا لے تو بطور عبد یہ اس کی انتہائی بدبختی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی انسانی زندگی کا سارا حسنِ عمل،معطل ہو کر رہ جائے گا۔

ہے نوشتے کا یقیں ناسازیٔ ذوقِ عمل
حوصلے میرے توکل تک مجھے لائے نہیں

اور غالباً یہی مفہوم ہے اقبال کے اس شعر کا جس میں وہ مسلمان کو خود تقدیرِ یزداں بن جانے کی تلقین کرتے ہیں۔

غلط ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

اس مادی دنیا کی ظاہری ضروریات کے لئے مولا کریم نے ہمیں شعور، طاقت اور صلاحیت عطا کی ہے۔ اگر انسان کی ہر دعا قبول ہو جائے تو اس کا نقصان یہ ہے کہ انسانی قوا مضمحل اور معطل ہو کر رہ جائیں گے اور یہ دارالعمل، بے عملی کا نشان بن جائے گا۔ نیز انسان سعی و عمل سے کنارہ کش ہو کر دعا اور صرف دعا کا ہو کر رہ جائے گا۔ کوشش انسانی فرض ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور اس کی کارسازی پر مکمل یقین ضروری ہے۔

کسی مقصد میں کامیابی کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ سچی طلب، سعیٔ پیہم اور رحمت خداوندی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلی دونوں چیزیں، تیسری چیز کو خود بخود جذب کر لیا کرتی ہیں، یہ اسلام کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے دعا کے فیض سے کلیتاً مادی مقاصد میں بھی روحانی انوار بکھیر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دعا میں کشش اور تاثیر رکھ دی ہے۔ یہ عرش سے ٹکراتی، عالمِ بالا کو درہم برہم کرتی اور رحمت کو مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ انسان دل کی گہرائیوں سے فریاد ابھارنے کا سلیقہ سیکھ لے۔

منگتے کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین ہے
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

نالہ، خام ہو تو بے تاثیر ہو کر فضا میں بکھر جاتا ہے۔ پختہ ہو تو فضاؤں میں ایک دائمی ارتعاش پیدا کر کے، تیر بہدف ہو جاتا ہے، ایسی قلبی کیفیت کو قرآن کی بلیغ زبان ”اضطرار“ (۴۷) سے تعبیر کرتی ہے۔ یہی اضطرار دعا کا مغز ہے۔ اور مغز کے بغیر نہ کوئی دانہ اگ سکتا ہے اور نہ پھل پھول لا سکتا ہے۔ اگر یہ اضطرار نصیب ہو جائے اور دعا، موزوں بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر یقینِ کامل بھی ہو تو دعا، تصور سے کہیں پہلے بارآور ہو جایا کرتی ہے۔

ما نگی ہے دعا کس نے الٰہی! کہ کھلا ہے
آغوشِ تمنا کی طرح بابِ اثر آج

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی قلبی اضطرار نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو آواز دی تو رحمت کا جوش دیدنی تھا۔ابوجہل کی لونڈی حضرت زنیرہؓ نے اسلام قبول کیا،سزا کے طور پر اس کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر دی گئیں،یہ منظر دیکھ کر آوارگان مکہ ناچنے اور گانے لگے کہ لات ومنات نے زنیرہؓ کو اندھا کر دیا۔اس وقت زنیرہؓ نے فرمایا:

وَاللّٰہ اِنِّی کَفَرْتُ بالاّت و عزّیٰ

یعنی میں اب بھی تمہارے لات وعزّیٰ کا انکار کرتی ہوں۔

نتیجہ معلوم کہ معاً

فردّ اللّٰہ الیہا بَصَرَھا۔ (٢٨)

اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ ایک نابینا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی بینائی درست کر دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود دعا کرو، میں آمین کہوں گا،محدثین کا بیان ہے کہ سائل کی بینائی بحال ہو گئی۔یہ واقعہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ پیدائشی نابینا تھے، ان کی والدہ نے حرم شریف میں حاضری دی تو ملتزم سے چمٹ کر یہ فریاد کی کہ اللہ! میں نے تجھ سے منت مانی تھی کہ اپنا بچہ دین کے لئے وقف کر دوں گی مگر وہ تو نابینا ہے تو اس کی آنکھیں دے دے، جوش طلب میں آکر یہ بھی فرما گئیں کہ اے اللہ! اگر تو نے اسے آنکھیں نہیں دینا تو کہہ دے کہ تیرے خزانے میں آنکھیں نہیں ہیں، جب یہ عظیم خاتون گھر لوٹیں تو بچہ بینا تھا اور اسی بچے نے پھر انوار حدیث سے دنیا بھر کو بینا کر دیا۔(٢٩)

دعا کی قبولیت کے لئے رزق حلال ضروری ہے(٣٠) کہ اس کے بغیر نہ سوچ درست رہتی ہے نہ عمل صالح،اسی سے التجا،خلوص کے سانچے میں ڈھل کر اور دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو کر سراپا اضطرار ہو جاتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولیت دعا میں بے تابی اور جلد بازی سے منع فرمایا ہے(٣١) اور رب

دعا سے بھی روکا ہے، (۳۲) مشرک کے لئے دعائے مغفرت بھی نہیں کی جا سکتی، (۳۳) اس بات کی بھی تاکید ہے کہ دعا میں موت کی تمنا نہ کی جائے (۳۴) کہ موت انقطاعِ زندگی کا نام ہے اور عمل زندگی ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کے لئے عمل ضروری ہے۔ نہیں معلوم کہ کس لمحے توبہ قبول ہو جائے۔ اور کون سا عمل رضائے الٰہی کا سبب بن جائے۔ اگر زندگی کے بعض لمحے اس قدر روح فرسا ہو جائیں کہ موت ہی میں عافیت نظر آئے تو مایوس انسان کو چاہئے کہ ایسے شدائد صبر سے برداشت کرے اور دعا کے دامن سے وابستہ رہے، اللہ تعالیٰ سے صبر و استقامت کی توفیق مانگتا رہے کہ اسی کی رحمت سے عقدے حل ہوتے اور ظلمتیں نور کے پیرہن میں مسکراتی ہیں، بصورت دیگر موت کی طلب سے عمل کو روک دینا اور دعا سے کنارہ کش ہو جانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عبد و معبود کے تعلق خاص سے بیگانہ ہو جانا ہے اور راہی کا نام خسارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہی دل مایوس ہوا کرتے ہیں جن میں کفر نے اپنا آشیانہ بنالیا ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ہاتھ اٹھا کر مانگنے میں، دینے والے کی عظمت کا احساس جلوہ گر ہے اور ہاتھ منہ پر پھیرنے میں یہ تصور کارفرما ہے کہ یہ ہاتھ خالی نہیں رہے بلکہ رحمت، شریکِ حال ہے، حمد و ثنا اور درود و سلام کے بغیر دعا منزل آشنا نہیں ہوتی بلکہ فضاؤں میں سرگرداں رہتی ہے۔ دعا کے بعد ''آمین'' کہنا بھی ضروری ہے کہ اسی سے قبولیت کے یقین کی مہر ثبت ہو جاتی ہے۔ دعا کے الفاظ میں سادگی اور بے ساختگی ہونی چاہئے، التجا میں تڑپ اور سوز لازم ہے۔ ضرورت اور موقع کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ان کے بہترین ناموں سے پکارنا چاہئے، دوسروں کے لئے مغفرت کی دعاؤں سے پہلے اپنے لئے دعا کرنا چاہئے، پھر دوسروں کے لئے کہ قرآن پاک میں انبیاؑ کی دعاؤں کا لب و لہجہ یہی ہے۔ احادیث کے مطابق دوسروں سے دعا کی التماس بھی کرنی چاہئے اور دوسروں کے لئے غائبانہ دعائیں بھی کرنا چاہئیں کہ غائبانہ دعا میں خلوص و گداز بدرجۂ اتم کارفرما ہوتا ہے (۳۵)۔

در حضوریت ار، دعا گویم چہ سود
گوئی کہ تزویر دستاں می زنم
سازکم ایں نغمہ را درنیم شب

ہمرہ مرغ سحر خواں می زنم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا، اکسیرِ اعظم سے کم نہیں۔ مسافر اور مظلوم کی آہ بھی خالی نہیں لوٹتی۔(۳۶) کیونکہ یہ تینوں دعائیں خلوصِ دل کی بہترین کیفیتوں کی حامل ہوتی ہیں۔ایک بیمار مردِ مومن کی دعا، جب کہ وہ شفایاب نہ ہو رہا ہو، بہت جلد قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ بسترِ علالت پر قربِ الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے، اس کی بیماری اُس کی لغزشوں کے لئے عفوو درگزر اور رحمتِ خداوندی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔علاوہ ازیں فرض نماز کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان و اقامت کے دوران میں، بوقت جہاد، نرغۂ اعدا میں، بوقت بارش، کعبۃ اللہ کے روبرو اور تہجد کے اوقات میں، دعا، قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔گویا دعا کی قبولیت کے لئے اضطرار و خلوص کے ساتھ ساتھ ہنگامِ موزوں کی بھی ضرورت ہے۔ رات کے تارے رازداں ہوں اور نالہ شبگیر کا رخ سوئے آسماں ہو۔تو آنسو، موتیوں میں ڈھلتے اور آہوں سے عرش لرز جاتا ہے۔

اشکِ عنابی سلامت، چشم پرخوں چاہئے
غازۂ جاں کی بدولت چہرہ گلگوں چاہئے
روزا فزوں دولت غم بھی یہاں کس کو نصیب
دولت غم چاہئے اور روز افزوں چاہئے
ارتعاش لب غنیمت ہے کبھی بے حرف و صوت
یہ میسر ہو تو پھر کوئی نہ افسوں چاہئے
صبحدم لب پہ ہو موسیٰ کی دعائے شرح صدر
حرف موزوں کے لئے، ہنگام موزوں چاہئے

رات کے پچھلے پہر، نواؤں میں جو گداز اور دعاؤں میں جو تاثیر ہوتی ہے اور آدابِ سحر خیزی میں جو کیف مضمر ہوتا ہے اس کا شناسا ہر دل نہیں ہوسکتا۔

سونے والو تم کو اُس لذت سے آگاہی نہیں
رات ساری عشق کی آنکھوں میں جب کٹ جائے ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات شفقت و رحمت کا ایک بحرِ بیکراں ہے۔ ایسا شفیق محبوب کہ مانگنے کی تلقین بھی کرتا ہے، آداب بھی خود ہی بتاتا ہے اور ہر التماس کا جواب بھی مثبت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ تضرع بار یاب ہے۔(۳۷) جس کے ساتھ سر ہی نہیں، دل بھی جھکا ہوا ہے۔ وہاں ان آنسوؤں کی قدر ہے جو دل کی گہرائیوں سے اٹھیں اور وہاں وہ لرزشیں قبول ہیں جن کا تعلق جسم سے نہیں، روح سے ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا ایک وقیع ترین عمل ہے، (۳۸) حدیث میں ہے کہ:

> قضا و قدر سے بچنے کی کوئی تدبیر فائدہ نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس میں بھی نفع پہنچاتا ہے۔ جو نازل ہو چکی اور اس میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور بے شک بلا نازل ہونے کو ہوتی ہے کہ اتنے میں دعا اس سے جا ملتی ہے۔ پس قیامت تک ان میں کشمکش رہتی ہے۔(۳۹)

گویا دعا اور بلا کی اس کشمکش میں انسان محفوظ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بار بار مانگنے سے ناراض نہیں ہوتے بلکہ نہ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔(۴۰) کیونکہ اللہ سے نہ مانگنا، خود کو خدا سمجھنا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتا ہے۔ وہ ہزاروں درباروں میں سرکشیدہ رہتا ہے۔ اور جس نے اس دروازے سے سرکشی کی، ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ گویا بارگاہِ صمدیت میں رکوع و سجود ہی انسان کا حسن ہے۔ یہی وہ خمیدگی ہے جس پر ہزاروں سربلندیاں نثار کی جا سکتی ہیں۔ یہی وہ عاجزی ہے جس پر ہزاروں فخر، ناز کرتے ہیں۔ گویا وہاں جھکنا عزت اور نہ جھکنا ذلت ہے۔

تجھ سے مل کر زندگی مقصودِ مہر و ماہ تھی
تجھ سے کٹ کر دربدر بے آبرو ہونے لگی

حق یہ ہے کہ کوئی اپنے فقر و احتیاج کو دور کرنے کے لئے درِ کریم پر دستک نہ دے تو وہ خود اپنے لئے افلاس و نکبت کو دعوت دیتا ہے۔ یہ دستِ کریم کی بخیلی نہیں بلکہ طلب کرنے والے کی کوتاہی و سہل انگاری ہے۔

گر گدا کاہل بود تقصیر صاحب خانہ چیست؟

مولا کریم کا دروازہ ہر وقت، ہر ایک کے لئے کھلا ہے، مایوسی کفر ہے، اور حسنِ ظن، نعمت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں (۴۱) اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ

ایسا نہیں ہے کہ اللہ کسی بندے کے لئے شکر کا دروازہ کھولے اور نعمتوں کی افزائش کا دروازہ بند کردے اور کسی بندے کے لئے دعا کا دروازہ کھولے اور درِ قبولیت کو اس کے لئے بند کردے اور کسی بندے کے لئے توبہ کا دروازہ کھولے اور مغفرت کا دروازہ اس کے لئے بند کردے۔ (۴۲)

بہترین دعا عافیت کی دعا ہے۔ عافیت ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس میں ہر نوع کا سکون پوشیدہ ہے۔ یہ ایک ایسی طلب ہے جو اپنے دامن میں سرمدی سرخوشی کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔ وہ دعا جو خود خدا نے اپنے بندوں کو بتائی وہ سورۂ فاتحہ ہے، یہ وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی بولی میں اپنے منہ سے ادا کی۔ ہر نبی کی کوئی نہ کوئی دعا محفوظ ہے، مگر اس دعا میں جامعیت کا جو حسن، مقاصد کی جو بلاغت، تعلیمات کا جو لحن، ثنا کا جو انداز اور توفیق وہدایت کی جو طلب ہے۔ اس کی جھلک کسی اور نبی کی دعا میں موجود نہیں ہے۔ یہ فی الواقع مغزِ قرآن جوہرِ قرآن اور ام القرآن ہے۔ دعا کی یہ ایک ایسی مکمل شکل ہے جس میں اختصار، بلاغت اور تاثر کی ایک کائنات مضمر ہے اور فصاحت وشگفتگی کی جملہ ادائیں لودے رہی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''بہترین دعا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی دعا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں، سوائے اللہ کے، جو یکتا اور لاشریک ہے۔ اسی کے لئے شاہی و جہانداری ہے، اُسی کے لئے حمد وستائش ہے، وہ زندگی اور موت دینے والا ہے، اور وہ ایسا زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہی بھلائی ہے، اور ہر چیز پر اُسے قدرت ہے۔''

یہ دعا سراسر حمد وثنا پر مبنی ہے اس میں کسی نوع کی کوئی التجا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت اور تحمید وستائش میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ دستِ طلب پھیلانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی بلکہ ستائش خود بخود جود وسخا کو جوش میں لاتی اور لطف وکرم کی بارش خود بخود دلوں کی بے کیف کھیتیوں کو رشکِ بہاراں بنا دیتی ہے۔ گویا حمد، دعا بن کر سراپا سوال ہو جاتی ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ

جو شخص میرے ذکر میں اس قدر کھو جائے کہ اُسے دعا کا خیال نہ رہے تو میں جو سوال کرنے والے کو دیتا ہوں اس سے زیادہ اُسے دوں گا۔ (۴۳)

گویا ذکر کی بیخودی، بذاتِ خود، دعا ہے اور بے خودی کا یہ کیف اور محبت کا یہ والہانہ پن نصیب ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم سمجھنا چاہئے۔ سید محمود رضوی کے الفاظ میں:

بوقتِ دعا، تصورِ عظمت جلالِ الٰہی میں ڈوب جائے۔ اگر اس مبارک تصور نے وہ غلبہ کیا کہ زبان بند ہوگئی تو سبحان اللہ، یہ خاموشی ہزار عرض سے زیادہ کام دے گی۔

اصغر گونڈوی کتنی بڑی حقیقت اس شعر میں بیان کر گئے ہیں کہ۔

ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو
اب تو یہی زباں مرے مدعا کی ہے

سورۂ فاتحہ میں جس طرح خوف و رجا کا ایک حسین و جمیل امتزاج ہے، اسی طرح قبولِ دعا کے لئے مومن کے دل میں امید اور خوف کا ایک دلکش توازن ضروری ہے، خوف کہ وہ بے مہار نہ ہو اور امید کہ مایوسی اُسے انکار تک نہ لے جائے، کیونکہ انکار سے ایمان کی روح مر جھا جاتی ہے۔ ایمان کا مقام خوف و رجا کے بین بین ہے، قرآن مجید کے مطابق:

وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور ہمارے فضل و کرم سے امید لگائے اور ہمارے عذاب سے ڈرتے ہوئے دعائیں مانگتے تھے اور ہمارے سامنے سرِ نیاز جھکائے ہوئے تھے۔ (۴۴)

خوف و رجا کی یہ درمیانی کیفیت، جس کا دوسرا نام ایمان ہے۔ تعلقِ قلبی کے بغیر پختہ نہیں ہوتی، تعلق کی پائیداری، ملاقاتوں کے تسلسل سے قائم رہتی ہے۔ یہ رابطہ دائمی ہونا چاہئے، ہر سانس، اس کی یاد اور ہر دھڑکن اس کا ذکر بن جانی چاہئے۔ وہی دل کی انگشتری کا نگینہ ہو، وہی کعبۂ مقصود اور قبلۂ شوق ہو۔ وہ لوگ جو صرف ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ اُن کی پکار یقیناً سنی بھی جاتی ہے اور قبول بھی ہوتی ہے مگر وہ پکار، تیرِ نیم کش نہیں بن سکتی کہ وہ دائمی کسک اور ابدی تعلق سے محروم ہوتی ہے۔ حفیظؔ جالندھری کا یہ شعر انسان کی اسی نفسیاتی کیفیت کا عکاس ہے۔

جب کوئی تازہ مصیبت ٹوٹتی ہے اے حفیظؔ
ایک عادت ہے خدا کو یاد کر لیتا ہوں میں

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پیشِ نظر رہیں۔ خوشحالی میں شکر کے ساتھ، دکھ میں

.IqbOlNI 2 ÊÇ

عافیت کی طلب کے ساتھ، آزمائش میں صلاۃ وصبر کے ساتھ، عیش میں سپاس و نیاز کے ساتھ اور طیش میں خوف وتحمل کے ساتھ، اگر یاد مستقل ہوگی تو طلب بھی دائمی ہو جائے گی اور اسی سے تعلق میں استواری آئے گی، شجر سے پیوستگی ہی، بہار کی امید لاسکتی ہے۔ کیونکہ وفاداری جس کی بنیاد استواری پر ہو، وہی ایمان کہلاتی ہے۔ جلد بازی، محرومی کا پیش خیمہ ہے اور رنا خیر سے گھبرا جانا، رحمت کے یقین سے بے بہرہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بہترین توقعات اور حسن ظن کی بہترین کیفیتوں کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے، نہیں معلوم دروازہ کب کھل جائے، اور رحمت کب جوش میں آ جائے، کیونکہ رحمت کا ناگہانی جوش اس کی بے نیازی کی دلیل ہے ۔

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اگر دعا قبول نہیں ہوتی تو پیہم مانگتے رہنے میں انسان کو قربِ الٰہی کا شرف نصیب رہتا ہے، قبولِ دعا کے بعد مطمئن ہو کر اور مقبول نہ ہونے کی صورت میں مایوس ہو کر، دعا کا دامن چھوڑ دینا، قربِ الٰہی ایسی عظیم نعمت سے محروم ہو جانا ہے گویا مولا کریم سے انسانی تعلق ''یقین'' کے گرد گھومتا ہے۔ وہاں تذبذب کی ہلکی سی رمق بھی ایمان کو ختم کر دیتی ہے۔ قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ یوں ہے:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اگر فائدہ ہو گیا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت ہو گئی تو الٹا پھر گیا، اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی اور یہ ہے گمراہی کی انتہا۔ (۴۵)

حق یہ ہے کہ دعا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہے، یہ نعمتوں کو آواز دیتی اور سعادتوں کو پکارتی ہے۔ سرِ عبادت بھی ہے اور روح بندگی بھی، اپنے عجز کا اعتراف اور اللہ کے لطف وکرم کا اقرار ہے۔ ارشادِ ربانی اور اتباعِ سنت ہے یہ انبیاؑ کا شعار اور مومن کا سہارا ہے نیازمندی کا کمال اور عبودیت کا جمال ہے اور ''تیز دھار والی انی سے بھی زیادہ موثر و کارگر ہے۔'' (۴۶)

دعا سے شکوک وشبہات، ایمان وایقان میں بدل جاتے ہیں۔ یہ ایمان بالغیب کا ایک عملی مظاہرہ ہے۔ اس سے فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کا احساس ہوتا ہے۔ اسی سے ارادوں میں شگفتگی، عزائم میں ولولہ، اور نگاہوں میں تلوار کی کاٹ پیدا ہوتی ہے اور انسان نفسیاتی طور پر ایک ایسی قوت سے بہرہ یاب ہوتا ہے جو فی الواقع ''خیبر شکن'' ہوتی ہے۔ گویا دعا سے عزم ویقین کو استقامت ملتی ہے اور خدا کا خوف انسان کو

2 ÊÇ

ہر خوف سے بے نیاز کردیتا ہے اور انسان ماسوا کو بتانِ آزری سمجھ کر حقارت کے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیتا ہے۔ جبینوں کو نیاز، سجدوں کو کیف، دلوں کو سکون، روحوں کو گداز اور آنکھوں کو نم، اسی دعا سے ملتا ہے اسی دعا سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر یقین کامل اور اپنی بے بسی کا احساس ابھرتا ہے۔ اور اسی سے تمرد و سرکشی سراپا نیاز ہو کر رخِ انسانیت کا غازہ بن جاتی ہے۔

بھٹکتے ہیں سبھی دشتِ انا میں
دعاؤں کے اثر کو کون سمجھے؟

دعا، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا مستقل سہارا تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مولا کریم کا اداشناس کون ہوسکتا ہے۔ بنا بریں آپ ﷺ نے جس انداز سے دعائیں کیں، وہ انداز اللہ تعالیٰ پر ایک نا قابل شکست اعتماد کا اظہار کرتا ہے، اس انداز میں، موزوں الفاظ کا حسن، التجا کا دل آویز قرینہ اور بے قرار دل کی بے ساختہ ہوک موجود ہے۔ اور التجاو دعا ہی وہ واحد وسیلۂ اظہار ہے جس سے بچی بے ساختگی نمایاں ہوتی ہے، دعا میں دل کھول کر رکھ دیا جاتا ہے، دھڑکنیں، زبان بن جاتی ہیں، نطق، سکوت میں ڈھل جاتا اور گداز، آنکھوں میں نمی بن کر چھلکتا ہے، ایسی بے ساختگی اور صنف سخن میں نہیں مل سکتی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انداز کا بے ساختہ پن اور ہنگامی اضطرار، بسا اوقات، ادبی شکوہ، شعری دلپذیری اور لفظی حسن سے بے نیاز ہوتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے اور مولا کریم نے انہیں برمحل کلام کی صلاحیت عطا فرمائی تھی، اس لئے اُن کی زبان مبارک سے نکلنے والا ہر لفظ، فصاحت و بلاغت کی اثر آفرینیوں اور مفہوم و مطالب کی دل نشینیوں کا مظہر ہوتا تھا، اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کب لب کشا ہوتے تھے، آپ ﷺ کی زبانِ مبارک، الہام کی گزرگاہ اور وحی کی شاہراہ تھی۔ آپ ﷺ کے دل پر قرآن کا نزول ہوا تھا، آپ ﷺ کی نگاہوں نے عرش کی رفعتوں اور رعنائیوں کو دیکھا تھا اور آپ ﷺ کی روح، خشیتِ الٰہی سے لبریز تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کی زبان پاک سے نکلنے والی ہر صدا، جامعیت و ادبیت کے لحاظ سے اس قدر موثر ہے کہ آج بھی غیر مسلم، اسلام کی تعلیم سے کہیں زیادہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں، اور وہ ان دعاؤں کو پڑھ کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ جس وجودِ ذی جود ﷺ کا اپنا کلام اس قدر حسین و دل نشین ہے، اس کے خدا کا کلام کس قدر افصح و احسن ہوگا۔

آپ ﷺ کی دعائیں، نورِ نبوت سے مستنیر، عرفانِ حق سے بھرپور اور اعجازِ بلاغت سے معمور

ہیں۔ آسمانی صحائف کے بعد اگر کوئی زبان اور کوئی لب ولہجہ روح و دل میں کیف بن کر اترتا ہے تو وہ انہی دعاؤں کا اسلوب ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں۔

> ''یہ دعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت ہیں، ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں کہ وہ ایک پیغمبر ہی کی زبان سے نکلے ہیں، ان میں نبوت کا نور اور پیغمبر کا یقین ہے۔ عبد کامل کا نیاز ہے، محبوب رب العالمین کا اعتماد و ناز ہے۔ فطرت نبوت کی معصومیت و سادگی ہے، دل دردمند و قلب مضطر کی بے تکلفی اور بے ساختگی ہے۔ صاحب عرض و حاجت مند کا اصرار و اضطرار ہے اور بارگاہ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی، دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے اور چارہ سازی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین و سرور بھی''۔ (۴۷)

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح چہرۂ نبوت، آپ اپنی دلیل تھا اور دیکھنے والا بے ساختہ پکار اٹھتا تھا کہ یہ چہرہ صادق اور امین ہی کا ہو سکتا ہے، اسی طرح مسنون دعائیں خود بولتی ہیں اور ان کا گداز و تاثر، بندے کے عجز کو قبولیت کی سرمدی سربلندی عطا کرتا ہے۔ یہ دعائیں اس قدر جامع ہیں کہ زندگی کی جملہ ضروریات کے لئے مکتفی ہیں اور دعاؤں کا یہ قیمتی سرمایہ اللہ کے فضل سے محفوظ ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو پکاریں، جن کے ذریعے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے۔ آج کل بعض لوگ قرآنی اور نبوی ﷺ دعاؤں میں اپنی جانب سے بعض ٹکڑے، تراکیب اور جملے ایزاد کر دیتے ہیں۔ اس نوع کی جسارت، توہین رسالت کے زمرے میں آتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دعاؤں میں کوئی کمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترمیم و اضافے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی نقص ہو۔ اگر ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کے الفاظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر نوع سے مکمل ہے تو ہمیں اپنی طرف سے پیوند لگانے کی خوفناک جسارت نہیں کرنا چاہئے، ویسے اپنے طور پر، اپنی زبان میں اور اپنے لفظوں میں، اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو بھی دعا کی جائے، وہ سنی بھی جاتی ہے اور قبول بھی ہوتی ہے، وہاں تو دھڑکنوں، آہوں، لرزشوں اور آنسوؤں کی بھی پذیرائی ہے۔

دیدۂ تر سے ڈھلک کر دامنِ رحمت میں تھا
لغزشِ مستانۂ اشکِ ندامت دیکھئے

۞

کتابیات

۱۔ نہج البلاغہ،

۲۔ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا! جب انسان آخرت میں دعاؤں کا ذخیرہ نعمتوں کی شکل میں پائے گا تو بے اختیار پکار اٹھے گا، کہ اے کاش میری کوئی بھی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی، تو ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔

۳۔ سورۂ زمر، آیت ۸،۴۹، سورۂ یونس، آیت ۲۲،۲۳،

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ۱/۱،

۵۔ بقرہ آیت ۱۸۶،

۶۔ سورۂ ہود، آیت ۶۱/ بقرہ، آیت ۱۲۷، ۱۳۷، ۹۶، ۲۳۳،

۷۔ خلیقؔ دہلوی، ادبستان

۸۔ مجمع الزوائد/ ج ۱۰، کتاب الادعیہ

۹۔ مولانا ظفر علی خاں

۱۰۔ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا، الدعا مخ العبادۃ، ترمذی، رقم ۳۳۷۱،

۱۱۔ حدیث میں ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا، اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھل گیا، تاریخ جرجان للسہمی، بیروت/ ص ۲۸۴،

۱۲۔ سورۂ المومن، آیت ۶

۱۳۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۵۶۔۵۷،

۱۴۔ سورۂ رعد آیت ۱۴، ۱۵،

۱۵۔ سورۂ حشر، آیت ۱۰،

۱۶۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۰۳،

۱۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۵،

۱۸۔ سورۂ الزمر، آیت ۱۸، ۴۵،

۱۹۔ سورۂ ہود، ۶۱، ۱۶۱

۲۰۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ سے اس کا فضل مانگو، کیونکہ اللہ اسے پسند فرماتا ہے کہ اس سے مانگا جائے، صحیح ابن خذیمہ/۳/۴۷۳،
۲۱۔ مجمع الزوائد ہیثمی/ ج۱۰/ص ۱۴۶،
۲۲۔ مسند بزار/ رقم ۳۱۳۵،
۲۲/الف۔ مجمع الزوائد/ ج۱۰/ کتاب الادعیہ،
۲۳۔ سورۂ رحمٰن، آیت ۲۹، کل یوم فی شان
۲۴۔ قرآن سورۂ رعد آیت ۳۹، یمحواللّٰہ ماشآء ویثبت و عندہ ام الکتاب،
۲۵۔ مفتی سید جعفر حسین، صحیفۂ کاملہ، دیباچہ،
۲۶۔ وقالت الیہود ید اللّٰہ مغلولۃ غلت ایدیہم۔ سورۂ مائدہ آیت ۶۴
۲۷۔ نمل، آیت ۶۲، امن یجیب المضطرا ذا دعاہ ویکشف السوء،
۲۸۔ زرقانی علی مواہب اللدینہ، ۱/ ۲۷۰، سیرت المدزنی ۱/ ۲۴۴، سبل الھدیٰ والرشاد ۱/ ۳۶۱،
۲۹۔ ابن حجر، ہدی الساری، مقدمہ فتح الباری،
۳۰۔ الترغیب والترہیب/ ۳/ ص ۲۰۷،
۳۱۔ مجمع الزوائد، / ۱۰/ کتاب الادعیہ،
۳۲۔ ایضاً
۳۳۔ توبہ آیت ۸۰،
۳۴۔ بخاری، بیروت، ج۹/ ص ۱۰۴/ ترمذی، ۳۴۸۳،
۳۵۔ مجمع الزوائد/ ج۱۰/ کتاب الادعیہ
۳۶۔ سنن دارقطنی، بیروت، ۲/ ۱۳۶، و مجمع الزوائد، ج۱۰، کتاب الادعیۃ،
۳۷۔ اعراف، ادعوربکم تفرعا و خفیہ
۳۸۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز باوقعت نہیں، الحدیث
۳۹۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۲۱،
۴۰۔ مجمع الزوائد، ج۱۰، کتاب الادعیۃ،
۴۱۔ حدیث نبوی ہے: انا عند ظن عبدی بی، مجمع الزوائد، ج۱۰، کتاب الادعیۃ،

۴۲۔ نہج البلاغہ،

۴۳۔ ومجمع الزوائد، ج ۱۰، کتاب الادعیۃ،

۴۴۔ سورۂ انبیاء، آیت ۹۰،

۴۵۔ سورۂ حج، آیت ۱۹،

۴۶۔ قول امام جعفر صادقؒ

۴۷۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، سیرت محمدی ﷺ دعاؤں کے آئینے میں، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ص ۱۰،

رحمانیہ

سوئیٹس
اینڈ ڈیری

REHMANIA SWEETS &
DAiRY

بالمقابل فردوس سینما، ٹھنڈی سڑک۔ حیدرآباد۔
فون : 780868